Tauseeq, Volume. 4, Issue. 2
ISSN (P) 2790-9271 (E) 2790-928X
DOI: https://doi.org/10.37605/tauseeq.v4i2.54

Received: 16-10-2023
Accepted: 24-11-2023
Published: 31-12-2023

بلوچستان میں اردو کی قدیم دفتری دستاویزات کا فروغ اردو میں حصہ

Contribution of Urdu's ancient office documents in promotion of Urdu

* ڈاکٹر کرن داؤد بٹ

Abstract:

Urdu was official language that's why it was indispensable for themasses to learn it. All the institutions of the government were bound to practice Urdu in their respective offices. Slowly and gradually, that led Urdu to become public need. Urdu prose not only in Balochistan but also in India strengthened its roots. The official documents of Urdu introduced new style and played vital role in Urdu dictionary. Old official documents in Balochistan which are not direct part of Urdu literature or the judicial documents which have specific technical patterns of expatiating worked as raw material and assisted the fiction of Balochistan in forming tales, stories, characters and plots later. These documents have served and become helping hand in the prose of Balochistan literature

Keywords: Balochistan, urdu, promote, official documents.

بلوچستان انگریزوں کے زیر تسلط آنے والے سب سے آخری علاقوں میں سے ایک تھا۔ جس پر وہ ۲۱ فروری ۱۸۷۷ء کو مکمل طور پر قابض ہوئے۔ پاکستان بننے سے پہلے انگریزوں نے سیاسی مصلحتوں اور بلوچستان پر اپنے قبضے کو مستحکم کرنے کے لیے جن انتظامی اکائیوں میں تقسیم کیا تھا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے۔

* اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ اردو سردار بہادر خان وومن یونیورسٹی بلوچستان کوئٹہ

ا۔وہ علاقے عہد نامہ گنڈمک ۱۸۷۹ء کے تحت حکومت برطانیہ نے افغانستان سے حاصل کیے اور جسے ۱۹۸۷ء میں برٹش بلوچستان کا نام دیا گیا۔ان میں پشین، چمن، شہر رگ، شورارود، دکی اور سبی شامل تھے۔

ب۔ تحصیل کوئٹہ ،نوشکی، بولان، جھٹ پٹ اور اوستہ محمد (نصیر آباد) کے وہ علاقے جو انگریزوں نے خان قلات سے اجارے پر حاصل کئے تھے۔

۲۔ ضلع ژوب، لورالائی (ماسوائے تحصیل دکی)، کوہلو، دالبندین اور غربی سنجرانی کے ایسے علاقے جو ان کے سرداران نے مختلف موقعوں پر انگریزوں کے سپرد کیے تھے۔

۳۔ مری اور بگٹی کے قبائلی علاقہ۔

ان سب علاقوں کا انتظام ایجنٹ ٹو گورنر جنرل کے سپرد تھا جب کہ قلات، خاران، لسبیلہ اور مکران کی ریاستیں خود مختار تھیں۔

پاکستان بننے کے بعد آزاد خود مختار ریاستیں پاکستان میں شامل ہو گئیں اور ان کی آزاد حیثیت کا خاتمہ ہو گیا۔اگرچہ اردو زبان کے بلوچستان سے روابط پرانے تھے لیکن برصغیر میں رابطے کی زبان کو فروغ دینے کے تجربات سے استفادہ کرتے ہوئے انگریزوں نے یہاں بھی اردو کو سرکاری زبان بنانے کا فیصلہ کیا۔بلوچستان کثیر القومی اور کثیر اللسانی علاقہ ہونے کی وجہ سے کسی ایک مرکزی زبان کا پابند نہیں تھا۔البتہ انگریزوں کی آمد سے پہلے ریاست قلات میں سرکاری اور دفتری زبان کی حیثیت سے فارسی میں کاروبار سرکار کو چلایا جاتا تھا۔اس کام کو کرنے کے لیے بلوچستان کے علاوہ برصغیر کے مختلف علاقوں سے ایسے ماہرین اور پڑھے لکھے لوگ سرکار سے وابستہ کیے جاتے تھے ۔جو سرکار کے تحریری نظام کو چلا سکیں۔اس طرح کاروبار حکومت تو چلتا چلا آرہا تھا مگر عوام الناس کی سطح پر معلومات تک رسائی اور سمجھ بوجھ کے فقدان کے مسائل ابھر کر سامنے آتے تھے۔انگریزوں نے ماضی کے کامیاب تجربات کی روشنی میں بلوچستان میں بھی سرکاری اور دفتری زبان رائج کرنے کے لیے ان قوانین سے استفادہ کیا جو پہلے سے مختلف علاقوں میں رائج تھے۔قانون کے نفاذ سے حکومت کو عملاً یہ اختیار حاصل ہو گیا تھا کہ وہ اردو میں سرکاری کاروائیوں کو چلا سکیں۔اس کے ساتھ ساتھ بلوچستان میں ایسی کوئی لسانی کشمکش بھی موجود نہیں تھی جو اردو کے نفاذ میں رکاوٹ بنے۔لہٰذا اردو بہ حیثیت سرکاری زبان استعمال کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔نفاذ کے سلسلے میں

ایسی پڑھی لکھی افرادی قوت انگریزوں کا تسلط قائم ہوتے ہی بلوچستان کے مختلف علاقوں میں کار گزاری کے لیے لائی جاچکی تھی جو اردو میں سرکاری خط و کتابت کرنا جانتے تھے۔

دفتری خط و کتابت کے ذریعے اردو کی وسعت پزیری کا سلسلہ ۱۸۷۷ء میں اس وقت قائم ہوا جب ایجنسی بلوچستان کا قیام عمل میں لایا گیا۔اس سلسلے میں ٹامس جارج میئر کی ترجمہ کردہ کتاب "عدالت چیف کورٹ پنجاب کے قواعد و احکام" جو ۱۸۹۳ء میں مرتب کر کے اسی سال طبع ہو گئی تھی کو ایک سرکاری حکم کے ذریعے بلوچستان پر نافذ العمل قرار دیا گیا۔اس حکم کے تحت " عدالت چیف کورٹ پنجاب کے قواعد و احکام" کا تیسرا باب "قواعد و احکام مرتبہ بموجب خاص ایکٹ ہائے متعلق پنجاب" زبان مروجہ عدالت ہائے پنجاب کے عنوان سے جو حکم بلوچستان سے متعلق لاگو کیا گیا اس کی عبارت یہ تھی۔

"اردو زبان عدالت ہائے ماتحت"

"بحوالہ دفعہ ۶۴۵ مجموعہ ضابطہ دیوانی اس امر کی اطلاع دی جاتی ہے کہ زبان اردو کو لوکل گورنمنٹ نے عدالت ہائے ماتحت تک پنجاب کی زبان قرار دیا ہے۔" (۱)

یہی اختیارات بلوچستان کے تحت بھی مندرج ہوئے اور بہ حیثیت سرکاری زبان اردو کے نفاذ کے لیے ایجنٹ ٹو گورنر جنرل مقیم بلوچستان، خان آف قلات پولیٹیکل ایجنٹ مقیم کوئٹہ، ژوب، قلات و بولان، جنوب مشرقی بلوچستان، ضلع لورالائی اور ریلوے کے افسران کو پابند کیا گیا کہ وہ اس پر عمل درآمد کو یقینی بنانے کے اقدامات کریں۔

ریاست قلات میں اردو کے نفاذ کے لیے محمد خان وکیل کو اس ذمہ داری سے عہدہ براہ ہونے کے لیے نامزد کیا گیا۔انہیں اردو پر عبور تھا اور وہ دربار قلات میں خان آف قلات سے بھی اردو میں بات چیت کیا کرتے تھے۔اس لیے ریاست قلات میں اردو کو سرکاری زبان بنانے کے لیے جو وسائل پہلے سے موجود تھے ان کو استعمال میں لایا گیا۔مگر باقاعدہ طور پر دفتری نظام کے لیے اردو کو خط و کتابت کی زبان ۱۹۰۹ء میں قرار دیا گیا۔اگرچہ اردو کو قلات میں سرکاری زبان کی حیثیت سے رائج ہونے میں وقت لگا لیکن سابقہ نظام جو فارسی میں چلتا آرہا تھا اس کو بھی برقرار رکھا گیا۔یہ دو عملی اس تردد کو ظاہر کرتی ہے کہ لگا بندھا نظام توڑ کر نئے نظام کو رائج کرنے میں عملی پیچیدگیاں حائل رہتی ہیں مگر وقت کے ساتھ ساتھ مشق اور دلچسپیوں سے مسائل پر قابو پا لیا جاتا ہے۔سابقہ ریاست قلات میں شرعی عدالتیں قائم کی گئی

تھیں جن کا کام دیوانی اور مالی مقدمات کی سماعت کر کے قانون کے مطابق فیصلے صادر کرنا تھا۔ان عدالتوں سے منسلک قاضی صاحبان علوم شرعیہ کے ساتھ ساتھ قرآن، حدیث اور فقہ کے بھی ماہر ہوتے تھے۔ان کی بڑی تعداد دارالعلوم دیوبند یا اس سے منسلک مدارس سے فارغ التحصیل ہوتی تھی۔ لہٰذا زمانہ طالب علمی میں اردو اور فارسی پڑھنے اور لکھنے کی مشق عملاً کرائی جاتی تھی اس کے فوائد ان دیوانی عدالتوں میں اردو کے نفاذ کے ساتھ ہی حاصل ہونا شروع ہو گئے تھے۔ ابتداً وہ فارسی زبان میں عدالتی کاروائی اور فیصلے لکھا کرتے تھے۔ مگر بعد میں اردو میں بھی فیصلہ سازی کرنے لگے۔ یوں ریاست قلات میں اردو اور فارسی کا سرکاری چلن ۱۹۴۵ء تک جاری رہا۔ اسی دوران میں خان قلات نے اپنی ریاست میں قوانین کو باضابطہ طور پر نافذ کرنے کے لیے ایک وزیر معارف مقرر کیا تاکہ نفاذ اردو کی رفتار کو بڑھایا جائے اور مکمل طور پر سرکاری کام اردو زبان میں کیا جانے لگے۔ اس کام کے لیے مولانا شمس الحق افغانی کو وزیر معارف مقرر کر کے یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ خان آف قلات کے منشا کے مطابق اردو کو دفتری زبان بنانے کے سلسلے میں جو عملی رکاوٹیں موجود ہیں انہیں کم سے کم وقت میں دور کر کے مقاصد کی تکمیل کا لائحہ عمل مرتب کریں۔ مولانا شمس الحق افغانی ایک معروف اور جید عالم دین تھے۔ انہوں نے قاضیوں کی عدالتوں میں اردو کے نفاذ کے لیے ذاتی طور پر کاوشیں کیں۔ احکامات اور فیصلے لکھنے کے طریقے بتائے اور سب کو پابند کیا کہ وہ سرکاری احکامات کو بروئے کار لا کر خط و کتابت بھی اردو میں کرنے کی عادت ڈالیں۔ لہٰذا شرعی عدالتوں میں رفتہ رفتہ تمام فیصلے اردو میں لکھے جانے لگے۔ خان آف قلات بلوچستان کے مقبول اور موثر حاکم تھے اس لیے اردو کو عملاً سرکاری زبان بنانے کے اثرات دور تک مقبول ہوئے۔ یوں اردو نے فارسی کی جگہ لے کر ایک نئے نعم البدل کے طور پر خود کو پیش کیا جس کی قبولیت مستحکم ہوتی چلی گئی۔

ریاست قلات میں ۱۸۹۹ء میں اراضی کا بندوبست صرف کانک میں ہوا تھا جو رئیسانیوں کا علاقہ تھا۔ یہ کام اس وقت کے ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر قاضی جلال الدین نے مکمل کیا تھا مگر اس بندوبست کا سارا ریکارڈ انگریزی میں مرتب کیا گیا۔ اس بندوبست میں زمین کی پیمائش کے ساتھ ساتھ اس کی کیفیات کے بارے میں مفصل گوشوارے تیار کیے گئے تھے۔ یہ بندوبست اکبر اعظم کے وزیر راجہ ٹوڈر مل کا متعارف کردہ تھا۔ اس کے ذریعے جابہ جا پھیلے ہوئے رقبوں کو یکجا کر کے اشتمال اراضی کی منصوبہ بندی کی جاتی تھی مگر بلوچستان میں یہ کام نہیں ہوا تھا۔ اسی زمانے میں ریاست قلات کا انگریز پولیٹیکل ایڈوائزر اپنے دفتر کی خط و کتابت انگریزی اور اردو دونوں میں کیا کرتا تھا۔ اس صورت حال کو جانچنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مختلف سرکاری معاملات میں اولاً فارسی رائج تھی مگر فارسی کی جگہ لینے کے لیے اردو پر تول رہی تھی۔ جب کہ بعض دفاتر میں بہ یک وقت انگریزی اور اردو کو بھی سرکاری زبان کے طور پر استعمال کیا جا رہا

تھا۔ دراصل یہ نفاذ اردو کا عبوری دور تھا جس میں یک سر ماضی کی سرکاری زبان کو اردو سے بدلنے کا ڈول ڈالا جارہا تھا۔ پس منظر میں وہ علمائے فارسی جو اپنی زبان دانی، تحریری صلاحیتوں اور دفتری امور میں مشاق تھے ان کی بلند حیثیت ہچکولے کھانے لگی تھی۔ چناں چہ ایک خاموش رد عمل اس صورت میں ظاہر ہوا کہ اردو نے فارسی کی جگہ لینے میں کئی عشروں کا وقت لیا۔ مگر وہ دفاتر جہاں ہندوستانی کارگزاروں کی بہ جائے انگریز افسران کام کرتے تھے وہاں انہوں نے اپنی آسانی کے لیے جہاں کہیں اردو سے کام نکل سکا اسے اردو سے نکالا اور جہاں کہیں اردو میں مدعا نگاری میں رکاوٹ محسوس ہوئی تو انگریزی کو ذریعہ اظہار بنالیا۔ یہ کام بھی اس وقت تک جاری رہا جب تک اس مزاج اور قابلیت کے انگریز افسران موجود رہے۔ شرعی عدالتوں میں بندوبست اراضی سے متعلق مختلف فارم اور ضمانت نامے استعمال میں آتے تھے انہیں اردو میں ڈھال کر استعمال میں لایا جانے لگا تھا۔ اس کے لیے نئے سرے سے ترجمہ کاری کی محنت نہیں کی گئی کہ پنجاب میں یہ فارم پہلے سے اردو میں مستعمل چلے آتے تھے۔ اردو کے نفاذ کا عملاً فیصلہ سرکاری زبان کے طور پر ہوا تھا مگر پہلے مرحلے میں اسے عدالتوں کے دیوانی مقدمات کی کاروائیوں کے لیے استعمال میں لایا گیا۔ جس میں مقدمہ، اس کی درخواست، درخواست پر سرکاری کاروائی، احکامات، مسل کی تیاری اور فیصلے تک اردو میں کیے جانے لگے تھے۔ اس سلسلے میں اردو میں لکھی ہوئی مختلف تحریریں جن لوگوں کے ذریعے جس طرح معنی خیزی کے لیے لکھی جاتی تھیں ان کی صورت حال یہ تھی۔

وہ تحریریں جو درخواست گزار خود اردو میں لکھتے تھے جن سے مدعا واضح ہو جائے اور وہ مقصد سرکاری اہل کاروں تک پہنچ سکے جس کے لیے درخواست لکھی گئی تھی۔ اس ذریعے سے عوام الناس براہ راست اردو پڑھنے لکھنے اور مدعا سازی میں شریک ہو گئے تھے۔ جو اردو نثر کی مختلف شکلوں کی وسعت پزیری اور قبولیت کی مثال تھی۔ اس طرز کی سرکاری تحریروں یا دستاویزات کی دوسری صورت یہ بھی جاری رہی تھی کہ اصل درخواست گزار اردو بولنا، پڑھنا اور لکھنا تو جانتا تھا لیکن عدالت یا سرکار کو پیش کرنے کے لیے اردو تحریر لکھنے پر مکمل قدرت نہیں رکھتا تھا۔ اس کی ایک شکل یہ بھی تھی کہ وہ اپنی کم حیثیتی کے سبب اردو میں درخواست یا دستاویز تیار کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس کرتا تھا۔ لہٰذا اپنے حلقہ احباب میں سے کسی ایسے شخص کا انتخاب کر کے اس سے لکھوا لیا کرتا تھا جو اردو لکھنے میں اس سے زیادہ باصلاحیت ہو۔ ان تحریروں کو لکھنے کا طریقہ کار یقاً یہ تھا کہ لکھے جانے کے قابل چیدہ چیدہ نکات ترتیب وار یا بے ترتیب لکھنے والے کو بتا کر تحریر لکھوائی جاتی تھی۔ ایسی قدیم دستاویزات کی اس زمانے میں لکھی گئی دیگر دستاویزات کے مقابلے میں پہچان کے دو اہم طریقے تھے ۔پہلا طریقہ یہ تھا کہ اس قسم کی دستاویزات کی زبان عموماً سادہ اور قانونی موشگافیوں سے مبرا ہوتی تھی نیز اختصار بیان بھی اس کا خصوصی

پہلو ہوا کرتا تھا۔ کیوں کہ لکھنے والا لفظی موشگافیوں کے بہ جائے بیان معنی پر توجہ رکھتا تھا۔ شناخت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ درخواست کے آخر میں درخواست گزار کے اپنے دستخط ہوتے تھے۔ ایسا کرتے ہوئے وہ یقین دہانی کے طور پر اپنے دستخط کے ساتھ بہ قلم خود بھی لکھ دیا کرتے تھے۔ جو اس بات کی شہادت ہوتی تھی کہ درخواست گزار اردو نثر لکھنے پر قادر ہے اور تحریر اس کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے یا اس کی ہدایت ورضا پر کسی اور نے دستاویز کو قلم بند کیا ہے اور دستخط درخواست گزار کے ہیں۔

عوام الناس کی طرف سے لکھی جانے والی دستاویزات کو لکھنے لکھانے کا یہ طریقہ بھی رائج تھا کہ انہیں کسی پیشہ ور عرائض نویس سے لکھوالیا جائے۔ عرضی نویسی کا پیشہ ہر عہد میں محترم اور معزز جانا گیا ہے۔ اس میں آمدنی کے اچھے مواقع ہمیشہ موجود رہتے ہیں۔ اس لیے اردو لکھنے والے بہت سے لوگ اس پیشے سے بہ رضا ورغبت منسلک ہو جاتے تھے۔ عوام الناس بالخصوص وہ لوگ جن کا واسطہ عدالتوں سے پڑ جایا کرتا تھا وہ عرائض نویسوں کو وکیلوں کا متبادل سمجھتے تھے۔ کیوں کہ جو لوگ اس پیشے سے وابستہ تھے وہ مختلف النوع دستاویزات کی تیاری کرتے کرتے عدالتی بالخصوص دیوانی معاملات کے ماہر ہو جاتے تھے۔ لہٰذا دستاویز تیار کرنے سے پہلے عام لوگ اپنے اپنے معاملے کا کھل کر اظہار عرائض نویس سے کرتے تھے اور اس کی رائے کو ابتدائی فیصلے کی صورت دے کر قبول کر لیتے تھے۔ اسی مشاورت کے نتائج کو اپنی محفلوں میں بیان کر کے دل خوش کرنے کے طریقے پیدا کرتے تھے۔ اس قسم کی دستاویزات کی تیاری میں زیادہ وقت بھی نہیں لگتا تھا کیوں کہ اسے لکھنے والے اسی شعبے سے مسلسل وابستہ رہنے کی وجہ سے ایسی اردو نثری تحریروں کی تیاری پر مضبوط گرفت رکھتے تھے۔ ایسی ہی ایک دستاویز کے متن کو یوں تحریر کیا گیا ہے:

> "اب برخلاف اس دعوے کے ملکان ملے زئی نے واقعہ کربلا کے ملکان کو اپنے مدد ومعاون قرار دیکر محض ہم بٹے زئیان کے گم کرنے کے رود برباد کرنے کے واسطے نئے سرے سے دعویدار ہوئے ہیں۔ اس پانی کے علیحدہ کرنے سے تین اسباب بالادیہہ سرکاری برباد ہوتے ہیں۔ علاوہ ملک بھی ہمارا برباد ہو گا۔ کیونکہ اسی کاریز ورود کے پانی کے تحت ہمارا ملک وہمارے جندر آباد ہے۔ اور اس آبادی پانے کے باعث ہم سرکار کو مالیہ مجوزہ ادا کرتے ہیں... سرکار کو ہمارا آباد رکھنا اور برباد کرنا اختیار ہے۔ لیکن حسب استدعا مدعیان برباد نہ فرمائیں۔ ہمارا منصف و آباد رکھنے والا آپ ہی سرکار ہے۔ ورنہ یہ قوم صاف اور سخت ہمارے دشمن ہیں۔ موقعہ ملاحظہ ہو کر و مسل ہاسابقہ سے دفتر طلب ہو کر بعد ملاحظہ دعوائے ناحقی مدعیان سے حسب عذر متذکرہ بالا نجات بخشی جاوے۔" (2)

ایسی دستاویزاوت کی تعداد ان دستاویزات کے مقابلے میں زیادہ ہوتی تھی جنہیں عام لوگ یاان کے قریبی احباب میں سے کوئی لکھ کر تیار کرتا تھا۔ عرائض نویسوں کی تیار کردہ دستاویزات کی شناخت بھی آسان تھی۔ کیوں کہ وہ دستاویزات لکھتے ہوئے اس غرض سے حاشیہ چھوڑتے تھے کہ دفتری کاروائیا نمبر اور تاریخ کا اندراج مذکورہ حاشیے میں سہولت سے ہو جائے۔ عرائض نویسوں کے خط پختہ ہوتے تھے ۔ ان کی تربیت میں یہ شامل تھا کہ اسے خط شکستہ جسے عوام الناس میں، گھسیٹاخط کہاجاتاتھااردو کی نثری دستاویزات تیار کرتے تھے۔ لکھائی کا یہ طریقہ الگ سے پہچانا جاتا تھا کہ اسے کسی عاآدمی نے نہیں بلکہ پیشہ ور عرضی نویس نے تحریر کیا ہے۔ پرانی دستاویزات کی لکھائی ہولڈر سے کی جاتی تھی جس کے نب کو دوات میں بار بار ڈبو کر تحریر مکمل ہوتی تھی۔ اس سے بہ سہولت یہ اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ ایک دستاویز کی تیاری میں قلم کو کتنی مرتبہ ڈبو کر لکھا گیا ہے۔ دستاویز کی زبان اور طرز بیان عام فہم ہونے کی بہ جائے بڑی حد تک قانونی اور دفتری ہوا کرتا تھا۔ جو قانونی لغت اور اصطلاحات سے مزین کیا جاتا تھا۔ جہاں لفظوں کے معنی مخصوص تھے۔ یہ دستاویزات موضوع اور موضوعات کے تناظر میں لکھی جاتی تھیں۔ موضوع یا مسئلہ سادہ ہوتا تو متن کو ایک ہی پیراگراف میں بیان کر دیا جاتا تھا جب کہ پیچیدہ اور مرکب موضوعات کو مختلف پیراگراف میں تقسیم کر کے ان کی اہمیت کے اعتبار سے ترتیب وار لکھا جاتا تھا۔ بالعموم متن سے پہلے موضوع کا اندراج کر کے اسے نمایاں کرنے کے لیے اس کے نیچے ایک لکیر کھینچ دی جاتی تھی۔ دوسری طرف عرائض نویس کے ہاتھوں لکھی گئی تحریریں ایسی بھی ہیں جو بلا عنوان لکھی گئی ہیں۔ ایسی دستاویزات آدھے یا پون صفحے پر لکھی ہوئی دستیاب ہوتی ہیں۔ جب کہ ایک سے زیادہ صفحات پر مشتمل قلمی دستاویزات بھی دستیاب ہوئی ہیں مگر کم ہیں۔ یہ تحریریں بلوچستان میں ابتدائی اردو نثر کی نمائندہ ہیں مگر ان میں تخلیقی صلاحیت کی عدم موجودگی کی وجہ سے ادبی نثر نہیں کہا جا سکتا۔ ایک جیسے معاملات پر لکھی گئی اس نوع کی نثر بھی یکساں ہے سوائے ان مقامات کے جہاں درخواست گزار کے کوائف یا مسئلے کے کسی منفرد زاویے کا ذکر کیا گیا ہے۔

عرائض نویسوں کی لکھی ہوئی دیوانی دستاویزات کی ہئیت بھی معینہ تھی۔ سب سے پہلے اس افسر کو القاب و آداب کے امتزاج سے مخاطب کیا جاتا تھا جس کے دفتر میں دستاویزات کاروائی کے لیے بھیجی جاتی تھیں۔ پھر متعلقہ افسر کا عہدہ صفحے کی پیشانی پر درمیان میں لکھا جاتا تھا۔ عہدے کے دائیں اور بائیں القاب و آداب استعمال کیے جاتے تھے۔ عہدے سے پہلے بااجلاس صاحب بہادر، بحضور جناب، بحضور فیض گنجور صاحب والا شان، بخدمت جناب صاحب، بعدالت جناب، بعدالت صاحب بہادر، بعدالت، جناب صاحب بہادر، بعدالت خان صاحب بہادر اور عزت مآب جناب جیسے کلمات مستعمل تھے۔ انہیں یکسانیت سے بچنے کے لیے بدل بدل کر استعمال کیا

جاتا تھایا عہدے کے چھوٹے بڑے ہونے کی نسبت سے لکھا جاتا تھا۔ آغاز کلام کا یہ طریقہ فارسی سے مستعار لیا گیا تھا۔ بالخصوص درباروں سے وابستہ لکھنے والے اہل دربار کو ایسے ہی منتخب کلمات سے یاد کیا کرتے تھے۔ القاب کے بعد متعلقہ افسر کا عہدہ لکھا جاتا تھا۔ اکثر عہدے انگریزی میں ہوتے تھے اس لیے انہیں اردو رسم الخط میں جوں کا توں اس طرح لکھا جاتا تھا۔ ان کی املا بھی معین ہو گئی تھی۔ جیسے اسسٹنٹ کمشنر، ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر، پولیٹیکل ایجنٹ، اسسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ، اے جیجی وغیرہ۔ البتہ جج صاحبان کے لیے انگریزی تلفظ کا اردو املا جج، یا اس کا اردو متبادل منصف بھی لکھا جاتا تھا۔ جب کہ تحصیلدار کے لیے اردو املا ہی استعمال ہوتا تھا مگر لفظ تحصیل کو دار کے سابقے کے ساتھ مرکب کر کے لکھا جاتا تھا۔ یہ واحد عہدہ تھا جسے بہ طور عہدہ بھی اردو میں لکھا جاتا تھا۔ اس کے برعکس نائب تحصیلدار کے لیے مکمل اردو متبادل کے ساتھ انگریزی اردو مرکب اسسٹنٹ تحصیلدار بھی استعمال ہوتا تھا۔ عہدے لکھے جانے کی اس صورت حال سے عرائض نویسوں کے میلان طبع کو جانچا جا سکتا ہے کہ وہ لکھنے والے جو لگے بندے القاب میں رہ کر کام چلاتے تھے صرف اردو املا کی پیروی کرتے تھے۔ وہ جن کی اپج میں اختراع کا ہنر موجود ہوتا تھا وہ انگریزی اردو مرکب یا مکمل اردو متبادل میں عہدے لکھا کرتے تھے۔ عہدے کے بعد بھی مدحیہ کلمات اور مقام تعیناتی کا بھی ذکر ان طریقوں سے آتا تھا۔ جیسے بہادر چمن، کوئٹہ پشین، کوئٹہ، صاحب بہادر کوئٹہ، مقام کوئٹہ، صاحب کوئٹہ پشین، صاحب بہادر کوئٹہ پشین۔ القاب، عہدہ اور آداب کی ترتیبی قائم رہتی تھی اور کوشش کی جاتی تھی کہ انہیں ایک سطر میں مکمل کر لیا جائے۔

القاب و آداب کے بعد تحریروں کو لکھنے کے کئی طریقے رائج تھے۔ یہ طریقے معاملے کی نوعیت کے اعتبار سے استعمال کیے جاتے تھے۔ اکثر دیوانی معاملات میں صفحے کے دائیں نصف حصے میں مدعی کا نام، پتہ اور دیگر کوائفیوں لکھے جاتے تھے۔ میر غوث الدین نابالغ پسر سلطان محمد بہ سرپرستی حاجی ابراہیم خلیل ولد سلطان محمد بذریعہ سرور جان ولد حاجی ابراہیم خلیل ناصر ملازئی ساکن سانگوڑی۔ عین درمیان میں بنام لکھ کر صفحے کے بائیں نصف میں مدعا الیہ کا نام اور دیگر کوائف یوں لکھتے تھے۔ کوندل ولد بوران نمبر ۱۴ ناصر کمال خیل ساکن بازارگی (پشین) ملزم۔ یہ عبارتیں موقع محل کے مطابق صفحے کے اپنے اپنے حصے میں کئی کئی سطور میں لکھی جاتی تھیں۔ اس کے برعکس آغاز تحریر میں مدعی اور مدعا الیہ کے کوائف لکھنے کی بجائے، تحریر کے اگلے مراحل براہ راست شروع کر دیے جاتے تھے۔ اس عمل کو جانچنے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ پہلی یا ابتدائی طور پر جمع کرائی جانے والی اس نوعیت کی تحریروں میں کوائف کا اندراج کیا جاتا تھا۔ اسی مقدمے میں مزید پیروی کے لیے اردو کی جو نثری تحریریں کاروائی کو آگے چلانے کے لیے بھیجی جاتی تھیں ان میں ابتدائی متعلقہ

تحریروں کی ہئیت کو بروئے کار نہیں لایا جاتا تھا۔ دستاویز کے اگلے مرحلے میں نئی سطر میں صرف ایک لفظ جناب عالی لکھ کر ندائیہ کی علامت بھی لگا دی جاتی تھی مگر علامت لگانے کا یہ عمل دستاویزات کے مطالعے سے لازمی ثابت نہیں ہوتا۔ کہیں اس پہلو کو روا رکھا گیا ہے کہیں اس سے اجتناب کیا گیا ہے۔ جہاں کہیں علامت نگاری کا اہتمام ہوا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو میں رموز واو قاف کے استعمال کی روایت کو قائم رکھنے کی سعی جاری تھی تاکہ بات اپنے مکمل مفہوم کے ساتھ پہنچ سکے۔ جناب عالی کا املا بھی دو مختلف طریقوں سے لکھا جاتا تھا ایک طریقے میں جناب اور عالی کے مفرد الفاظ کو الگ الگ لکھ دیتے تھے۔ دوسرے طریقے میں دونوں الفاظ کو مرکب کر کے بھی لکھ دیا جاتا تھا۔ یہ دونوں طریقے مستعمل تھے۔ اس مرحلے کے بعد تحریر کا اگلا مرحلہ نئی سطر سے شروع کیا جاتا تھا۔ یہ مدعا نویسی کا مرحلہ ہے جسے شروع کرنے سے پہلے اضافی جملہ لکھنے کا رجحان بھی موجود ہے۔ یہ جملے رموز واو قاف کے ساتھ اس طرح سے لکھے جاتے تھے۔ مدعیان حسب ذیل عرض کرتے ہیں:، جواب دعویٰ تحریر حسب ذیل ہے۔، وجوہات نالش یہ ہیں۔، بیان مدعی بہ اقرار صالح:، مدعی حسب ذیل عرض کرتا ہے۔، مدعی مذکور حسب ذیل عرض کرتا ہے۔، یہی عبارتیں لوٹ پلٹ کر لکھی جاتی تھیں۔ لیکن انہیں لکھنا ناگزیر نہیں تھا۔ یہ کلمات متعلقہ افسر کی توجہ مبذول کرانے کے لیے کوشش مزید کے طور پر استعمال کی جاتی تھیں۔ ایسے جملے لکھتے ہوئے اختتام جملہ پر دو مختلف علامتیں استعمال میں لانے کا رجحان ایک ساتھ چل رہا تھا کوئی لکھنے والا اوپر نیچے دو نقطے یعنی رابطے کی علامت لگا کر جملے کا اختتام کرتا تھا ان کے نزدیک ایسا اس لیے کیا جاتا تھا کہ اگلی عبارت اسی سے منسلک ہوتی تھی۔ دوسری طرف ختمے کی علامت لگانے سے یہ تاثر ملتا ہے کہ لکھنے والے ایسے جملوں کو الگ اور مکمل جملہ تصور کرتے تھے۔ اگرچہ بعد کی عبارت کا اس جملے سے معنوی ربط ہوتا تھا مگر اپنے اپنے قیاس کے مطابق علامت ختمہ کو برتا جاتا تھا۔ جس سے یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ بلوچستان کی قدیم سرکاری دستاویزات لکھنے میں رموز واو قاف کے استعمال کو بہت اہمیت دی جاتی تھی مگر ان کے استعمال کے مواقع واضح نہیں تھے۔

اگلی سطر سے اصل مدعا شروع کر دیا جاتا تھا۔ بالعموم کوئی روایتی عزازی کلمات نہیں لکھے جاتے تھے۔ نثر میں مدعا نویسی کرتے ہوئے جملوں کے اختتام پر علامت ختمہ (۔) لازماً استعمال کی جاتی تھی۔ ختمے کی علامت مواد کو ٹکروں میں تقسیم کرتے ہوئے اور نمبر شمار ڈالتے ہوئے بھی لگائی جاتی تھی۔ عبارت کے درمیان یا مرکب جملوں کو معنوی اعتبار سے الگ الگ کرنے کے لیے وقفہ (،) کی علامت کا استعمال بھی ہوتا تھا مگر اس علامت کے اندراج کی روایت مستحکم نہیں تھی۔ گنتی نمبر شمار کی صورت میں ہو یا تاریخ لکھنے کی صورت میں اردو اعداد استعمال کیے جاتے تھے۔ مدعا نویسی کا مرحلہ موضوع کے اعتبار سے مختصر، طویل، ٹکڑوں اور پیراگراف میں بٹا ہوا یا مسلسل ایک

ہی پیرا گراف پر مشتمل جیسا بھی ہوتا تھا اختتام مدعا کے بعد درخواست گزار کی جانب سے اختتام مدعا کی علامت کے طور پر کہیں صفحے کے وسط میں اور کہیں بائیں نصف میں، عرضے، العبد اور مدعی لکھ کر اختتام مدعا کی خبر دی جاتی تھی۔اس کے بعد اختتامی کلمات اور عبارتیں ایک مرتبہ پھر صفحے کو دو نصف حصوں میں تقسیم کر کے لکھنے کی روایت تھی۔دائیں نصف میں حلف نامہ طرز کی عبارت لکھ دی جاتی تھی جس میں ایک سطر میں تصدیق لکھ کر اس کے نیچے، بعد علم ویقین مضمون درخواست درست ہے۔، مضمون مندرجہ متن جواب دعویٰ نجد علم ویقین درست ہے۔، مدعا علیہم مضمون بالا درست ہے۔، میرے حد علم بیان درست ہے۔، تا حد علم ویقین سائل مضمون بالا درست ہے ، تحریر ہوتا تھا۔ اس طرز کی عبارتوں کا اندراج لازمی نظر نہیں آتا کیوں کہ کہیں یہ عبارتیں لکھی گئی ہیں اور کہیں انہیں نظر انداز کیا گیا ہے۔اس ہئیت میں بائیں نصف میں درخواست گزار یا درخواست گزاروں کے نام، پتے اور دیگر کوائف درج کیے جاتے تھے۔ جس کے ساتھ نشان انگوٹھا، اردو یا انگریزی میں دستخط ثبت ہوتے تھے۔

دستاویزات میں تاریخ تحریر لکھنے کے کئی طریقے بہ یک وقت مروج تھے۔ کبھی العبد لکھے جانے کے مقابل دائیں طرف المرقومہ ،مؤرخہ اور عریضہ لکھ کر تاریخیوں تحریر کی جاتی تھی۔المرقومہ ۷ماہ نومبر ۱۸۹۷ء، مؤرخہ ۳جنوری ۱۹۲۱ء، عریضہ ۱۰اکتوبر ۱۸۹۶ء، کبھی یہ تاریخ اسی مقام پر المرقومہ لکھے بغیر لکھی جاتی تھی اور کبھی بائیں نصف پر عرضے یا العبد لکھنے کے بعد رقم کی جاتی تھی۔ تاریخ جہاں کہیں بھی لکھی جاتی تھی وہاں ابتدا سن عیسوی کی علامت کے بعد ختمہ لگایا جاتا تھا مگر ۱۹۲۰ع کے بعد یہ روایت بھی متروک ہوتی نظر آتی ہے۔چند ستاویز اتالیسی بھی ہیں "(ملک سید نیکو ولد سید سلطان وغیرہ کا مقدمہ دیوانی)"[3] جن میں تاریخ مدعا کے آخر میں عبارت سے جوڑ کر لکھ دی گئی ہے۔ تاریخ لکھنے کا طریقہ یہ تھا کہ سب سے پہلے مہینے کی تاریخ لکھی جاتی جو اردو اعداد میں ہوتی تھی۔اس کے بعد مہینہ اردو الفاظ میں لکھا جاتا تھا اور سب سے آخر میں سن تحریر درج کیا جاتا تھا۔ جس کے بعد ہمزہ کو سن عیسوی کے مخفف کے طور پر لکھا جاتا تھا۔ ۱۹۲۰ء سے پہلے تک اندراج تاریخ دائیں نصف میں لکھنے کا رجحان غالب تھا۔۱۹۲۱ء سے یہ رجحان بدلتے بدلتے مستقل طور پر بائیں نصف میں منتقل ہو گیا تھا۔ہئیت کے اعتبار سے ایسی دستاویزات بھی زیر استعمال تھیں جن میں اختتامی مراحل کو صفحے کے دو نصف میں تقسیم کیے بغیر صرف بائیں نصف میں رقم کیا جاتا تھا۔ ایسا کرنے کی وجوہات معین نظر نہیں آتیں مگر بہ غور مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ عرائض نویس خود اپنی پسند اور ناپسند کے مطابق دستاویز کی اختتامی ہئیت کا تعین کر لیا کرتے تھے۔ سرکار کی طرف سے ایسی کوئی پابندی نہیں تھی کہ کس اختتامی حصے کو کہاں کہاں بانٹ کر کس سمت میں لکھا جائے۔

دیوانی مقدمات کے لیے تیار کی جانے والی دستاویزات کی تکمیل کے مختلف مراحل کا اثر غیر دیوانی معاملات اور عمومی شکایات کی درخواستوں کی ہئیت پر بھی پڑا۔ کیونکہ عوام الناس کی ان شکایات کو درخواست کی صورت میں انہی لوگوں نے لکھا جو دیوانی مقدمات کے معاملات کی تحریریں لکھتے چلے آتے تھے۔ عوامی سطح پر اس خطے میں تعلیم بہت محدود تھی۔ قبائلی نظام کی جڑیں مضبوط ہونے کی وجہ سے تعلیمی ادارے اپنی جگہ بنانے کے لیے جدوجہد کر رہے تھے۔ دور دراز کے بڑے قصبوں میں پرائمری اسکول کی موجودگی بھی نعمت غیر مترقبہ کے درجے پر فائز تھی۔ اس لیے قبائل میں ایسا پڑھا لکھا شخص شاذونادر ہی ملتا تھا جو شکایات کو اردو نثر کے ذریعے لکھ کر درخواست کی صورت میں پیش کر سکے۔ مجبوراً یہ کام انہی لوگوں کے سپرد ہوا جو اس وقت دیگر دستاویزات اردو میں لکھنے کی قدرت رکھتے تھے۔ ایسے لوگوں نے درخواست نویسی کے لیے کوئی نئی راہ نکالنے کی بجائے اسی ہئیت اور انداز بیان کو اختیار کیا جو دیوانی معاملات کے سلسلے میں اختیار کیا جا چکا تھا۔ درخواستوں کے مجموعی ڈھانچے میں اس کے علاوہ اور کوئی واضح فرق موجود نہیں ہے۔ متن میں عام شکایات درج کی جاتی تھیں۔ درخواست کی پیشانی اور اختتام کے مراحل اور اس کی تقسیم کو جوں کا توں رکھ کر مقصد کی بات لکھی جاتی تھی۔ اسی طرز کی ایک درخواست کا اردو متن یہ ہے:

"جناب عالی!

مستغیث حسب ذیل عرض پرداز ہے کل بتاریخ۔ماہ۔۱۹ء۴ مستغیث کی ایک جان بکری قیمتی پندرہ روپیہ کھل کر ملزم کی ڈھیری سیٹھا جواری پر چگنے لگ گئی۔ ملزم نے بے رحمی سی بنیت زیاں ناجائز ونقصان رسانی بکری مذکور کے سر پر سلاخ آہنی ڈنڈے سے ضرب پہنچائیں کہ بکری مذکور فی الفور مر گئی۔ لہٰذا استغاثہ ہے کہ ملزم کا تدارک فرمایا جائے"[4]

اس طرز کے معاملات پر ڈاکٹر انعام الحق کوثر کی کتاب بلوچستان میں اردو کی قدیم دفتری دستاویزات میں صرف چار درخواستیں صفحہ ۱۷۹ سے ۱۸۲ تک موجود ہیں۔ جن میں پہلی درخواست مختار نامہ خاص کے بارے میں ہے جس کی تاریخ ۱۵ اگست ۱۹۰۱ء ہے۔ دوسری درخواست مدعی کی زمین کے کچھ حصے پر کسی اور کی ناجائز کاشت کی ممانعت کے بارے میں ہے۔ یہ درخواست ۱۳ اگست ۱۹۰۴ء کی ہے۔ تیسری درخواست کنویں کا پانی مال مویشی کو پلانے سے متعلق جھگڑے سے ہے۔ یہ درخواست ۹ جون ۱۹۴۳ء کی ہے۔ چوتھی

درخواست بکری کی دانستہ ہلاکت سے متعلق ہے جس پر کوئی تاریخ ثبت نہیں ہے۔اپنے موضوعات کے اعتبار سے یہ شکایتیں دیوانی اور فوجداری معاملات سے متعلق ہیں مگر ان شکایات کو سادہ کاغذ پر کورٹ فیس کے بغیر براہ راست متعلقہ افسر کو لکھا گیا ہے اس لیے کتاب کے مرتب نے انہیں "درخواستیں" کے عنوان سے الگ جمع کیا ہے۔

بلوچستان کی قدیم سرکاری دستاویزات میں اردو نثر نگاری کی ایک اور شکل بھی موجود ہے جو دفاتر میں داخل کی گئی دستاویزات کی بنیاد پر قائم ہونے والے مقدمات پر ان سرکاری اہل کاروں نے تحریر کی ہیں۔جن کا تعلق مقدمے کو فیصلے تک پہنچانے کے سلسلے میں معاون کاروں کا درجہ حاصل تھا۔یہ اہل کار جس بنیاد پر بھی تعینات کیے گئے تھے انہیں اردو کو سرکاری زبان کے طور پر لکھنے، پڑھنے اور کار سرکار کو آگے بڑھانے کے لیے اس علمی سطح سے واقف کرا دیا گیا تھا جس سے مسئلے کے حل کی راہیں استوار ہو سکیں۔ان اہل کاروں میں محررین، کے علاوہ مختلف درجوں کے سرکاری افسر شامل تھے۔عمومی طریقہ کار یہ تھا کہ کوئی دعویٰ، شکایت، جھگڑا، مقدمہ اور معاملہ تحریری طور پر اردو میں پیش ہوتا تھا تو اسے ایک مسل (فائل) میں لگا کر اس کے اوپر متعلقہ کاروائی کے سلسلے میں اردو نثری عبارت درج کر کے اس بات کی نشان دہی کی جاتی تھی کہ مسئلہ کیا ہے۔متعلقہ کاغذات کو معاون دستاویزات کے طور پر مسل کا حصہ بنایا جاتا تھا۔متعلقہ کاغذات کے لیے لازمی نہیں تھا کہ وہ اردو میں ہی ہوں بل کہ جس دور سے ان کا تعلق رہا ہو اس وقت کی زبانوں فارسی، انگریزی، گرمکھی یا اردو میں سے کسی ایک یا کئی زبانوں پر مشتمل ہو سکتی تھیں۔مسل میں جو عبارتیں مسئلے سے متعلق مختلف سطح کے اہل کار لکھتے تھے وہ قاعدے قانون کے مطابق دعویٰ، دعوے کی مختلف کیفیات کے ساتھ ساتھ اس بات کو بھی ظاہر کرتے تھے کہ اب دستاویز کو آگے بڑھانے کا مرحلہ کیا ہے اور اسے کیسے درست کیا جا سکتا ہے۔یہ متعلقہ افسر کی قانونی رائے ہوتی تھی مگر متعلقہ حاکم بالا کا یہ اختیار تھا کہ وہ قانون کے دائرے میں رہ کر نچلے طبقے کی آرا کو من و عن قبول کر لے یا ردو بدل کے ساتھ قبول کرے یا پھر اپنی سوجھ بوجھ، علم و دانش، معاملہ فہمی اور اختیار کے پیش نظر اپنی رائے قائم کرے۔نیچے سے اوپر تک تمام مشورے، قانونی آرا، تجاویز، معاملے کا خلاصہ اور احکامات چھوٹے چھوٹے نثری ٹکڑوں میں لکھے جاتے تھے۔یوں مختلف شخصیات کی تحریر کردہ نثری عبارتوں کی رنگارنگی ایک ہی مسل میں سامنے آتی ہے۔جس سے بلوچستان میں اردو نثر تحریر کرنے کے سرکار یا اہل کاروں کے طریقہ کار کو با آسانی سمجھا جا سکتا ہے۔اگرچہ یہ عبارتیں زیادہ طویل نہیں ہیں کہ اس زمانے کی اردو نثر کو ان عبارتوں کے ذریعے جانچنے کا ایسا معیار قرار دیا جائے جو آفاقی اور مسلمہ ہو مگر یہ

ضرور ہے کہ بلوچستان میں اردو اپنے عہد کی مروجہ روایات کے ساتھ برتی جارہی تھی۔ مختلف مراحل میں جو نثری عبارتیں درج کی گئی ہیں ان کی اردو نثری کیفیات کو سمجھنے کے لیے ایک ہی مسل کے تدریجی منتخب نمونے یہ ہیں۔

"آج مدعی نے اصالتاً یہ عرضی دعویٰ ہمارے روبرو پیش کر کے اس کے مضمون کو تصدیق کیا گیا۔ درج رجسٹر دیوانی ہو کر مدعا علیہم باخذ طلبانہ کے اسٹامپ کورٹ فیس چسپاں کیا جاوے۔

آجیہ مسل پیش ہوئی۔ مدعیان حاضر ہیں اور مدعا علیہم سے کوئی حاضر نہیں ہے۔ چونکہ آج مقدمہ دیگر کی بھی پیشی ہے اور ہم کو فرصت نہیں ہے۔ لہٰذا حکم ہوا کہ۔

مقدمہ ۶ جنوری ۹۷ء کو پیش ہووے اور اس کا مدعا علیہم کو حکم کیا جاوے کہ مدعیان بتاریخ مذکورہ حاضر ہوویں۔" (5)

کسی اہل کار نے مسل پر تازہ ترین صورت حال کو نثر میں یوں لکھا ہے۔

"مقدمہ درج رجسٹر ڈ کیا جاوے اور مدعا علیہم کو برائے ۳۰۔۱۱۔۲۰ء طلب کیا جاوے۔ مدعی کو اس مطلع کیا گیا ہے۔ ۱۷۔۱۱۔۱۹۲۰ء۔"(6)

مذکورہ بالا عبارت کے تحریر کنندگان یا اہل کاروں کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اسی عبارت سے مراحل کے احکامات اور کاروائی سے مرحلہ وار اقدامات کیے جانے کے سے جڑے اگلے سلسلے میں رہنمائی کے ساتھ صادر کیے گئے احکامات بھی ملتے ہیں۔ جو مختلف اہل کاروں نے ان تاریخوں میں لکھے ہیں جن کا اندراج نثری کاروائی کے آخر میں کیا گیا ہے۔ اس مرحلہ وار کاروائی کے لکھنے والے اہل کار کون ہیں یہ معلوم نہیں کیوں کہ اس زمانے میں رائے نویسی کے بعد دستخط یا مختصر دستخط کیے جاتے تھے ۔ لیکن متعلقہ اہل کار کا نام یا عہدہ لکھنے کا دستور نہیں تھا۔ البتہ حاکم اعلیٰ کے حکم یا فیصلے کے بعد اس کا نام اور عہدہ یا صرف عہدہ تحریر کرنے کی روایت موجود تھی مگر وہ بھی لازمی نہیں تھی۔

مختلف اشخاص کے ہاتھوں لکھی ہوئی اردو نثر، سرکاری پیمانوں میں ڈھل کر کیسی نظر آتی تھی اور کن کن مقاصد کی تکمیل کرتی تھی، کی ایک مرحلہ وار مختصر کاروائی کا یہ نمونہ از خود اس کی وضاحت کرتا ہے:

"جیہ مسل پیش ہوئی۔ مدعی حاضر ہے۔ مدعا علیہم حاضر نہیں ہیں۔ لائین آفیسر لیویز چمن کو تحریر
کیا جاوے کہ مدعا علیہم کو بتاریخ ۴۔ ۱۲۔ ۲۰ء حاضر عدالت ہذا کیا جاوے۔ مدعی کو تاریخ
مقررہ سے مطلع کیا گیا ہے۔ ۳۰۔ ۱۱۔ ۲۰ء۔
ملک علی حیات خان موقع پر ملاحظہ رپورٹ کر گیا ہے
۱۵د سمبر ۱۹۲۰ء پیش ہووے۔
۲د سمبر ۱۹۲۰ء
مسل مقدمہ کل پیش ہووے ۱۰د سمبر ۱۹۲۰ء
فریقین بیرون از عدالت فیصلہ کرنا چاہتے ہیں اور مہلت مانگتے ہیں اس لیے ان کو ہدایت کی گئی ہے
کہ وہ بتاریخ ۳۰د سمبر ۱۹۲۰ء کو حاضر ہوں۔
۱۶د سمبر ۱۹۲۰ء۔
آجیہ مسل پیش ہوئی صرف مدعی حاضر ہے۔ مدعا علیہم غیر حاضر ہیں۔ لائین آفیسر لیویز چمن مدعا
علیہم کو طلب کیا جاوے
اور مدعی لیویز لائین میں حاضر رہیں۔ مسل اس وقت تک زیر تجویز رہے جب تک کہ مدعا علیہم حاضر
نہ ہوں۔ ۳۰د سمبر ۱۹۲۰ء۔"(7)

عدالتی مقدمات کے ساتھ ساتھ قدیم دستاویزات میں جرگے کی کاروائیاں بھی شامل ہیں۔ بلوچستان میں جرگہ سسٹم زمانہ قدیم سے رائج ہے۔ جس میں قبائل کے اندر اور بین القبائل جھگڑوں، مسائل اور معاملات کو حل کرنے کے لیے علاقے کے بزرگ اور معتبرین

نجی عدالت کی طرز پر کاروائی کر کے احکامات اور فیصلے صادر کرتے تھے۔ابتداً مقررہ انداز میں ہونے والی بتدریج کاروائیاں زبانی ہوتی تھیں جس کی پاسداری میں اگلے اقدامات طے کر لیے جاتے تھے۔فیصلوں کو نافذ کرنے کا اقتدار اعلیٰ بھی جرگہ ممبران کو حاصل ہوتا تھا۔اس لیے ان کی تعمیل کرنا لازمی سمجھا جاتا تھا۔انگریزوں کی حکمرانی کے بعد جرگہ کے نظام کو سرکاری حیثیت دی گئی تو ان کاروائیوں کو تحریر کی صورت میں لکھا جانے لگا تاکہ بہ طور سند مستقبل میں بہ وقت ضرورت کام آئیں۔ایسے جرگوں کی تحریر کردہ کاروائی پر حاکم مجاز کے دستخط بھی ثبت کیے جاتے تھے۔اکثر ایسا بھی ہوتا تھا کہ جرگہ اپنا تحریری فیصلہ حاکم مجاز کو ارسال کر دیتا تھا جس کا حتمی حکم نامہ یا فیصلہ حاکم مجاز کے دفتر اور دستخط سے جاری ہوتا تھا۔اس طرح جرگوں کی کاروائی اور فیصلوں پر حکومت کی نگرانی قائم رہتی تھی۔جس کے باعث فیصلہ کرتے ہوئے انگریز سرکار کی پالیسی کو ملحوظ رکھا جاتا تھا۔جرگوں میں دیوانی اور فوج داری دونوں قسم کے معاملات زیر بحث لائے جاتے تھے۔اس میں مدعی اور مدعا علیہم کو اپنی بات کہنے، صفائی پیش کرنے، جرح کرنے اور ارکان جرگہ کو اپنی تسلی کے مطابق فریقین سے سوال و جواب کرنے کے تسلی بخش مواقع دیے جاتے تھے۔اس لیے عموماً جرگہ کے فیصلوں کو مان لیا جاتا تھا۔یوں قبائلی نظام اپنی اہم خصوصیات کے ساتھ جاری رہتا تھا۔دوسری طرف قبائل اور ان کے افراد جرگہ سسٹم کو پوری طرح جانتے تھے اس لیے ان کو اپنے مستعمل نظام میں بات کہنے سننے اور اس پر عمل درآمد کرنے میں آسانی ہوتی تھی۔جرگہ سسٹم انگریزوں کے زیر نگیں آنے سے پہلے نہ صرف زبانی گفتگو پر چلتا تھا بلکہ اس نظام میں لوگوں کو یہ سہولت بھی حاصل تھی کہ وہ اپنی اپنی علاقائی زبانوں میں معاملات چلائیں اور فیصلے تک پہنچیں۔جرگے کو انگریز سرکار کے تابع کرنے سے یہ ضروری ہو گیا تھا کہ جرگے کی تحریری زبان بھی وہی اردو رکھی جائے جو نافذ العمل کی جاچکی تھی۔چوں کہ جرگے کے معاملات انگریز سرکار کے پاس چلے گئے تھے اس لیے جرگے کو سرکاری اہل کار بھی فراہم کیے جاتے تھے جو عدالت کی طرز پر جرگے کی کاروائی کو منضبط اور تحریر کرتے تھے۔اس کاروائی کی دستیاب دستاویزات کا سرکاری دستاویزات سے تقابلی مطالعہ کیا جائے تو سرکاری ضروریات کے اہتمام کے علاوہ اردو نثر کا مزاج وہی ہے جو سرکاری دفاتر کی کاروائیوں اور عدالتی احکام میں نظر آتا ہے۔

بلوچستان میں اردو کی قدیم سرکاری دستاویزات میں ایک اور دستاویز بھی اردو کے فروغ میں اہم کردار ادا کرتی رہی ہے۔یہ دستاویز سرکاری مطبوعہ فارم کی شکل میں ہے۔یہ فارم اس لیے مرتب کیے گئے تھے کہ ایک جیسی معلومات بہم پہنچانے کے لیے عوام الناس اور سرکار کے پاس لگا بندھا معیار موجود رہے اور فراہم کردہ معلومات کو ایک دوسرے سے جوڑ کر پرکھا جا سکے کہ ان میں شکایتوں اور صداقتوں کے کتنے پہلو ہیں۔یہ فارم کئی طریقوں سے استعمال ہوتے تھے۔جنہیں کام کی نوعیت کے اعتبار سے الگ الگ نام اور نمبر دے کر

تقسیم کیا گیا تھا تاکہ وہ اپنے موقع محل کے مطابق ہی استعمال کیے جائیں۔ان دستیاب فارموں کے نام،ان کی ہئیت اور نمبر اردو نثر میں یہ ہیں۔

فارم ا۔واجب العرض،حصہ ب،پٹواری فارم نمبرXXXVI-B،پرانافارم نمبر ۶۔ایس،یہ گوشوارہ تین کالموں پر مشتمل تھا۔

فارم ۲۔آفیسر تصدیق رجسٹر حقداران زمین بابت سال ۔۔ ۱۹ء،سابقہ پٹواری فارم نمبر ۱۶،جدید نمبرXVI،اس گوشوارے کو ۱۰ مختلف کالموں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ہر کالم کی پیشانی پر خانہ نمبر کا اندراج ہے۔ان کے نیچے ہر کالم کا ذیلی عنوان ہے۔آخر میں ایک تصدیق نامے کی عبارت کے بعد تاریخ اور متعلقہ افسر کی جگہ دی گئی ہے۔یہ فارم گورنمنٹ پرنٹنگ پریس بلوچستان نے ۵۰۰ کی تعداد میں شائع کیے تھے۔

فارم ۳۔کوائف رقبہ حقداران واقع دیگر مواضعات،نقشہ نمبر ۴،یہ گوشوارہ بنیادی طور پر ۶ اور ذیلی ۱۹ مختلف کالموں پر مشتمل ہے۔بنیادی کالم نمبر ۳ کو ذیلی ۳ کالموں میں،کالم نمبر ۴ کو ذیلی ۶ کالم میں اور کالم نمبر ۵ کو ذیلی ۷ کالموں میں منقسم کیا گیا ہے۔

فرد تقسیم آب اندرونی،یہ فارم گوشوارے کی شکل میں ۷ کالموں پر مشتمل ہے۔اسے گورنمنٹ پرنٹنگ پریس کوئٹہ نے ۲۲۰۰ کی تعداد میں چھاپا تھا۔

فارم ۴۔رجسٹرڈ داخل خارج بابت محال،108(-Ver).B.A۔یہ فارم گوشورے کی شکل میں ۱۸ کالموں پر مشتمل ہے ہر کالم کا عنوان کالم کی پیشانی پر درج ہے۔

فارم ۵۔روزنامچہ کارگزاری،فارم نمبر ۹۵ سٹینڈرڈ نمبرLVI،سابقہ پٹوار فارم نمبر ۴۵،یہ فارم دو حصوں میں منقسم ہے۔دونوں حصوں کے ایک جیسے کالموں کی تعداد ۸،۸ ہے۔ان میں سے ایک حصہ پیشانی پر درج ہدایت کے مطابق پٹواری کے پاس رہنے کے لیے تھا جب کہ دوسرا حصہ محکمہ بندوبست کو بھجوانے کے لیے تھا۔

فارم ۶۔جمع واصلباقی سال وارابت محال،حصہ D،فہرست نمبر 6،سٹنڈرڈ نمبر 126،سابقہ پٹوار فارم 64،یہ گوشوارہ ۱۸ کالموں پر مشتمل ہے۔ہر کالم پر نمبروں کا اندراج انگریزی اعداد میں کیا گیا ہے۔جب کہ فارم کی پیشانی پر بھی حصہ نمبر اور دیگر نمبروں کے لکھائی بھی انگریزی ہندسوں میں کی گئی ہے۔

فارم۷۔۸۔نقشہ مویشی و گاڑی پنج سالہ ،یہ فارم ۱۵ کالموں پر مختلف قسم کے مال مویشی کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے تشکیل دیا گیا تھا جس سے مخصوص علاقے میں مویشیوں کی اقسام اور رسل ورسائل کے لیے استعمال ہونے والی منسلکہ گاڑیوں کی تفصیلات اعداد و شمار کی شکل میں یک جا کی جاتی تھیں۔

فارم۸۔۲۔جنسوار سالوار بابت بحال،یہ فارم گوشوارے کی شکل میں ۱۰ بنیادی کالموں تقسیم کیا گیا ہے جس کے بعد کالم ۴ اور ۵ کو اجناس فصل ربیع اور اجناس فصل خریف میں تقسیم کرکے ان دونوں کے تحت کالموں کے نام درج ہیں جن کی تعداد ۲۲ ہے۔

قدیم دستاویزات میں اردو نثری تحریروں کا ایک اور نسبتاً مختلف ذخیرہ سرکاری مراسلت کی صورت میں ملتا ہے۔یہ تحریریں بین الدفاتر معاملات اور احکامات سے آگہی کے لیے لکھی جاتی تھی۔ان کی دوسری صورت یہ بھی تھی کہ تحریر کے موضوع سے متعلق ضروری سمجھا جاتا تو غیر سرکاری افراد کو بھی بلا تخصیص بذریعہ ڈاک یا سرکاری ہرکارے کے ذریعے بھجوائی جاتی تھیں۔اس قسم کی تحریریں لازماً کسی سرکاری عہدے دار کی جانب سے بھیجی جاتی تھیں۔اس لیے ان کے لکھے جانے کے مراحل کا بھی تعین کیا گیا تھا۔ان کے لکھنے والے سرکاری اہل کار ہوتے تھے۔جو رفتہ رفتہ تربیت اور مشق سے اپنے کام کے یوں ماہر ہوگئے تھے کہ متن میں نئے موضوعات بھی آسانی سے لکھ لیا کرتے تھے۔چوں کہ اس مراسلت کا طریقہ معین تھا اس لیے نئ تخلیقی سرگرمیوں کو راہ بنانے کا موقع کم ملتا تھا۔بنے بنائے زیر استعمال نمونوں کو سامنے رکھ کر نئے موضوع کی تفصیل یا اس کے مختصر خصوصی پہلو لکھ کر اصل بات کو پہنچانے کی کوشش ہوتی تھی۔یہ دفتری مراسلے بھی قلم سے لکھے جاتے تھے بعد میں انہیں کاپینگ پنسل کے ذریعے اوراق کے درمیان کاربن کاغذ رکھ کر نقول بھی ساتھ کے ساتھ بنائی جاتی تھیں تاکہ متعلقہ اشخاص و دفاتر کو بروقت ارسال کی جا سکیں۔اس اردو نثر کا سانچہ وہی تھا جو ابتدائی دیوانی دستاویزات کے لیے استعمال کیا گیا تھا۔البتہ سرکاری مراسلت کا ڈھانچہ اور ہئیت اس سے جدا تھی۔مراسلے کی پیشانی کے عین وسط میں دفتر،ادارے،افسر یا اہل کار کا عہدہ یا نام یا عہدہ ایک سطر میں اس طرح الگ الگ انداز میں لکھا جاتا تھا۔از پیش گاہ جناب پولیٹیکل ایجنٹ صاحب بہادر جنوب و مشرقی بلوچستان کراچی ۵ جنوری ۱۸۹۵ء ،از نظامت کرونا کیمپ سبی۔بلوچستان،نواب میر مہراللہ خان صاحب ای۔ای ناظم مکران،روبکار اجلاس خان بہادر حاجی احمد یار خان صاحب وزیر اعظم ریاست لسبیلہ ،بمقدمہ میر کمال خان بزنجو سکنہ بنام خان بہادر سردار میر محمد حسن خان نگچی اور بعدالت چمن جدید۔متعلقہ دفتر یا عہدے دار کے بارے میں لکھی ہوئی ان عبارتوں سے منسلک یا نچلی سطر میں تاریخ درج کی جاتی تھی جس سے عملی اختلاف بھی نظر آتا ہے۔کچھ مراسلات میں تاریخ مکتوب نمبر متن کے بعد آخر میں لکھا جاتا تھا۔ناظم

مکران کے دفتر سے جاری ہونے والے ۶ جولائی ۱۹۱۰ء کے مراسلے کی ہئیت ان سب سے مختلف ہے۔ جس میں پیشانی پر ناظم کا نام اور عہدہ لکھ کر نچلی سطر کے عین وسط میں انگریزی میں ناظم آف مکران لکھ کر مراسلے کی بالکل نچلی سطر میں انتہائی بائیں جانب نمبر، اسی کی سیدھ میں اگلی سطر پر تاریخ ۶ جولائی ۱۹۱۰ء، اور اس کے بعد اسی سیدھ میں اگلی سطر پر ڈاک نمبر لکھ کر ۹ .۲۹ لکھا گیا ہے۔ اگلی سطر سے متن کا آغاز ہوتا تھا اور اختصار بیان کے ساتھ معاملے کو اجاگر کیا جاتا تھا۔ نظامت کرونا کیمپ سبی۔ بلوچستان کے ایک مراسلے میں اختصار بیان کی کیفیت یہ ہے:

"بتر سیل اصل صاحب بہادر انچارج ناظم صاحب کرونا کے بھیج کر کہا جاوے کہ آپ میر بہادر خان کو ہدایت کریں کہ اگر اوس کو اندین معاملہ کسی قسم کا دعویٰ ہو تو باضابطہ کورٹ فیس ادا کر کے عرضی دعویٰ پیش کرے اور جب کہ ایں جانب کرونا آئویں گے تو بعد دریافت فیصلہ کریں گے یا بذریعہ سردار کہیر اخان اپنا فیصلہ کراوے۔ جب تک عرضی نہیں دیتا اور فیصلہ نہیں کراتا، مداخلت نہ کرے اور نہ ہی اراضیات سے بے دخل کرے۔"
(8)

ان مراسلوں کی عبارت اپنے عہد کے طرز تحریر کا نمونہ ہے جس میں قدیم لب و لہجے کے ساتھ اردو کی نثر جدید کی آمیزش کو بروئے کار لایا گیا ہے۔ اصطلاحات کا ذخیرہ عربی اور فارسی سے مستعار لے کر اردو کا حصہ بنایا جاتا تھا اس میں بھی عربی الفاظ کا تناسب فارسی کے مقابلے میں زیادہ ہوتا تھا۔ جہاں کہیں، عربی، فارسی اور اردو متبادل نہیں ملتے تھے وہاں انگریزی کے الفاظ استعمال کر لیے جاتے تھے۔ یا متبادل ہونے کے باوجود انگریزی کا استعمال بھی سرکاری اہل کار اور عوام الناس بلا ہچکچاہٹ مقصد کی تکمیل کے لیے کر لیا کرتے تھے۔ اس نوع کے کثیر الاستعمال انگریزی الفاظ یہ ہیں۔ اتھارٹی، اسٹاک، اسٹامپ، اسسٹنٹ، اسٹنڈرڈ، انڈکس، امپریس، انسپیکٹر، ایجنٹ ایکسٹرا، آرڈر، آف، آفیسر، آنریری، برٹن، بک، بل، بورڈ، بولٹ، پاکٹ، پراسیکیوٹنگ، پرنٹنگ، پریس، پریزیڈنٹ، پوسٹ، پولیٹیکل، ٹکٹ، ٹو، جج، جنرل، جوڈیشل جیل، چیک، دی، ڈاک، ڈپٹی، ڈگری، رپوٹ، رجسٹرڈ، رجمنٹ، رسیور رسیوری، ریفل، ریگولیشن ریمارکس، ریوینیو، سٹی، سر، سرٹیفیکیٹ، سرکل، سرکولر، سروے، سیشن، فارم، فائر، فرسٹ، فیس، کرنل، کمانڈر، کمانڈنگ، کمپنی، کمیٹی

،کمشنر ، کمیشن،، کنٹونمنٹ، کوچ ،کورٹ،کوین ،کیمپ ،گاڈ ،گریٹ ،گریس ،گورنر گورنمنٹ،لارڈ ،لانس، لائن، لیٹرین ،لیڈی ،لیویز،مارشل، مجسٹریٹ، مسٹر،ملٹری، میٹنگ،میجر، میونسپل،نائیک نوٹ،نوٹس،نمبر،نیٹو،وارنٹ،وائس۔

انگریزی کے اس ذخیرہ الفاظ کے استعمال سے اردو کے نثری سرمائے میں اس طرح اضافہ ہوا کہ یہ وقت کے ساتھ ساتھ نہ صرف عام بول چال کی زبان کا حصہ بنے بلکہ اردو نثر کے آنے والے زمانوں میں معنی فہمی اور قبولیت کے درجے پر فائز ہوئے۔ انگریزی الفاظ سے مرکب سازی کے تجربے بھی مذکورہ دستاویزات میں نظر آتے ہیں جیسے ڈگری دار،رجسٹرات،سمنات۔ اصل اہتمام معنی کو متعلقین تک پہنچانا ہے جو پورا ہو رہا ہے۔ مگر اردو زبان اپنی قواعدی ساخت کے جو اصول مرتب کر چکی ہے کہیں جملوں کی ساخت ان کے مطابق ہے کہیں اس سے مکمل روگردانی کی گئی ہے۔اور کہیں جملے کا ابتدائی یا آخری حصہ ضابطے کے مطابق ہے۔ باقی حصہ ضابطے سے رو گردانی کی صورت رکھا گیا ہے جو پڑھتے ہوئے ہی نہیں معنی خیزی میں بھی رکاوٹ کا باعث بنتا ہے۔قدیم اردو میں اجزائے جملہ کی تعداد وہی تھی جو جدید نثر میں ہے۔ افعال سازی کے لیے اس اردو میں علامت مصدر کو نا اور نون غنہ پر ختم کیا جاتا تھا۔ایسے افعال جن کا اختتام حروف علت پر ہوتا تھا ان میں ناں کی بجائے،وَنا یا وناں لگا دیا جاتا تھا۔ جیسے آوَنا یا آوَناں،لکھناں۔ جدید اردو میں صرف نا لگا کر اس مقصد کو پورا کیا جاتا ہے۔ماضی مطلق بنانے کے لیے مصدر کی علامت نا کی بہ جائے یا، یَا کا اضافہ کرتے تھے جیسے پڑھنا سے پڑھیا، آنا سے آئیا بنا لیتے تھے۔ موجودہ اردو میں قاعدہ یہ ہے کہ مصدر کا نا دور کر کے صرف الف کا اضافہ کرتے ہیں مثلاً لکھنا سے لکھا۔ قدیم اردو میں فاعل اگر مونث جمع ہو اور امدادی فعل کے ساتھ آئے تو اصل فعل بھی جمع میں لاتے تھے۔ مثلاً عورتاں،جانتیاں ، پہچانتیاں، کرتیاں،ناریاں وغیرہ۔ جدید قاعدہ یہ ہے کہ فعل اصلی واحد ہی رہتا ہے جیسے لکھتی ہے، لکھتی ہیں۔ اردو قدیم میں ماضی مطلق کی توضیح کرتے ہوئے ڈاکٹر ابواللیث صدیقی لکھتے ہیں:

> "اردو قدیم میں ماضی مطلق کی دو شکلیں ملتی ہیں مثلاً کرنا سے 'کینا' اور 'کیتا' پنجابی کے علاوہ دکھنی میں عام طور پر ملتا ہے۔ 'کینا' برج کے علاقائی اثرات کا نتیجہ ہے۔اس طرح دینا سے دیتا اور دینا...ماضی احتمالی میں جہاں مصدر سے علامت مصدر 'نا' دور کر کے 'تا ہو' لگاتے ہیں مثلاً کھاتا ہو، تا ہو، وہاں اردو قدیم میں 'ہوئے' یا ہووے لگاتے ہیں... مضارع کا حال بھی اسی طرح ہے؛ آوے، جاوے بجائے آئے، جائے۔"[9]

مصادر کو افعال میں ڈھالنے کے لیے اردو قواعد کے پرانے طریقے استعمال کیے جاتے تھے جو اب متروک ہو گئے ہیں۔ بالخصوص مصدر سے امری فعل پیدا کرنے کے لیے مصدر کا نا حذف کر کے وے کا اضافہ کیا جاتا تھا۔ جیسے آوے، پاوے، جاوے، دیوے ، کراوے ،لاوے ،ہووے انہی مصادر سے اسی طرز کے افعال کے مشتقات آئے، پائے، جائے،لائے، ہوئے۔ استعمال کیا جاتا ہے۔ زبان کے معیارات سے ہٹ کر ان دستاویزات کا یہ پہلو بلوچستان میں اردو نثر کی قدامت کو شناخت کرنے کا نہ صرف آسان طریقہ ہے بلکہ افعال کے استعمال کے ساتھ ساتھ ذخیرہ الفاظ کے استعمال کا ڈھب بھی قدیم روش سے جڑا ہوا ہے جو اپنے زمانے کی نثری تحریروں کے عمومی مزاج کو اجاگر کرتا ہے۔

بلوچستان میں اردو نثر کی قدیم دفتری ستاویزات میں افعال کی ساخت اور مشتقات بنانے کے زیادہ تر وہی طریقے استعمال کیے گئے ہیں جو قدیم اردو میں رائج تھے۔ ایسے استعمال کے مواقع جہاں آتے ہیں آج کی اردو کے قواعد کے عادی قارئین کی زبان لڑکھڑاتی ہے۔ ذہنوں میں استعمال افعال کی جو جدید ساخت راسخ ہو گئی ہے وہ فوری طور پر انہیں قبول نہیں کرتی اور پڑھنے والا ایک لمحے کو یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ یہ کون سی اردو ہے۔؟ خاص طور پر اردو کے وہ طالب علم جو جدید اردو کے شناسا ہیں۔ انہیں قدیم اور جدید نثر کے اصولوں کے درمیان میں فرق کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ دفتری اردو کی یہ ساخت، الفاظ کی نشست و برخاست، افعال کے استعمال کے مختلف طریقے وہی تھے جو برصغیر میں اردو کو سرکاری زبان کی حیثیت سے رائج کرتے ہوئے ڈھالے گئے تھے۔ پنجاب میں جو دفتری اردو نثر زیر استعمال چلی تھی اسی کو بلوچستان میں اختیار کر لیا گیا۔ کیوں کہ رائج العمل ہونے سے پہلے ایسی کوئی منصوبہ بندی موجود نہیں تھی کہ اس میں انیسویں صدی کے آخری عشروں کی بدلتی ہوئی اردو میں منتقل کیا جا سکے۔ سرکاری سطح پر جدید اردو نثر کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے نئے افعال سازی کے لیے زبان کے ماہرین اور قدیم و جدید ڈھب سے واقف ایسے لوگوں کی ضرورت تھی جو اس کام کو اس کی روح کے مطابق انجام دے سکیں۔ یہ کام دقت طلب ہی نہیں وقت طلب بھی تھا۔ بلوچستان کے سرکاری دفاتر میں اردو نثر کو فوری طور پر رائج کرنا ضروری خیال کیا گیا تھا اس لیے تحریری زبان میں ردو بدل پر کوئی توجہ نہیں کی گئی اور جو کام جس طریقے سے چلا آرہا تھا اسی میں کاروبار سرکار کو چلایا جانے لگا تھا۔

قدیم اردو نثر میں اکثر عربی و فارسی الفاظ کے ساتھ یائے معروف کا اضافہ کر کے استعمال کیا جاتا تھا جیسے غمی بہ جائے غم، خوشی بہ جائے خوش، حیاتی بہ جائے حیات۔ اسی طرح قدیم اردو میں بہت سے عربی فارسی الفاظ کا املا صوتی ہے۔ یعنی جو ادا کیا جائے اسی کو تحریر میں

لایاجائے مثلاًمَاملہ (معاملہ)،نفا(نفع)،واقا(واقعہ)،منا(منع)،وضا(وضع)اس املا کی بنیاد قافیہ بندی تھی۔جسے کثرت سے اردو نثر میں بھی استعمال کیا گیا ہے۔حرف نے کی بہ جائے کر بھی رائج تھا۔اردنثر کے یہ قدیم رویے جدید نثر کے امتزاج کے ساتھ جابہ جا موجود ہیں ۔اگرچہ تمام تحریروں میں ایک سی صورت حال نہیں ہے مگر ان کا وجود یہ بتاتا ہے کہ یہ بلوچستان کی دفتری اردو قدیم،لسانی اصوات اور قواعدی ضابطوں کے تابع ہو کر آگے بڑھ رہی تھی۔جملہ سازی میں صرف لفظ یا الفاظ کا قدیم وجدید استعمال ہی اہم نہیں ہے بلکہ یہ لازمی ہے کہ جملوں کو ان کے معینہ سانچوں میں رکھتے ہوئے بولنا اور لکھنا چاہیے۔اس میں فاعل،مفعول اور فعل کے مقامات معین ہیں۔ایسے جملے جن میں فاعل اور فعل ہو تو ترتیب میں فاعل پہلے اور فعل آخر میں آتا ہے۔اس کے برعکس فاعل،فعل اور مفعول تینوں لائے جائیں تو اس کی ترتیب بھی قواعد دانوں نے طے کر دی ہے۔جس کے مطابق پہلے فاعل پھر مفعول اور آخر میں فعل جملے کی معنویت کے تقاضوں کے مطابق آتے ہیں۔اس اصول کی نفی کر کے بھی معنی کی ترسیل کی جاسکتی ہے مگر وہ قاعدے جو ذہنوں میں راسخ ہو کر زندگی کا حصہ بن جاتے ہیں یک دم تبدیل ہونے سے زبان وبیان کے مسائل جنم لیتے ہیں۔اس کی وضاحت عصمت جاوید ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> "ہمارا لسانی شعور ان میں سے بیشتر جملوں کو رد کر دیتا ہے کیونکہ یہ الفاظ کا مجموعہ تو ہوتے ہیں لیکن جملے نہیں ہیں کیونکہ اکثر صورتوں میں وہ مہمل ہوتے ہیں اور کچھ صورتوں میں وہ اس ترتیب میں استعمال ہوتے ہی نہیں جس ترتیب میں ہم انھیں ادا کرنے یا سننے کے عادی ہیں۔"(10)

جملے کی ساخت بدلنے سے ابلاغ کی الجھنیں پیدا ہوتی ہیں۔اور اس طرح زبان کا اصل مقصد فوت ہو جاتا ہے گو کہ لفظوں کے ذریعے بات مکمل کر لی جاتی ہے لیکن سماجیاتی سطح اور قواعد کی رو سے اس کی قبولیت نہیں ہو پاتی۔کیوں کہ زبان لگے بندھے اصولوں میں متعینہ لغوی،اصطلاحی اور مجازی ہر طرح کے معنی پیدا کرتی ہے۔ایک ایسا جملہ جو مرتب نہ ہو وہ معنوی حیثیت کھو دیتا ہے۔پڑھنے اور سننے والا جملے کے نظام کی بے ترتیبی کا عادی نہ ہونے کی وجہ سے معنی تک پہنچنے سے پہلے اس کی ساخت کے انتشار کا شکار ہو کر رہ جاتا ہے۔اس لیے زبان کے لسانی ڈھانچے کو مطلب براری کے لیے اولیت حاصل ہے۔بلوچستان کی دستاویزی اردو نثر کا ڈھانچہ کچھ بھی رہا ہو وہ ان اہداف کی تکمیل کرتی تھی جن کے لیے اسے اپنایا گیا تھا۔بلوچستان کی ابتدائی سرکاری دستاویزی اردو نثر میں مقامی لب ولہجے کے اثرات نمایاں ہیں۔جن میں تذکیر وتانیث اور واحد،جمع کی تفرق پر بہت زور نہیں ملتا۔چونکہ یہ دستاویزات قانونی نوع کی تھیں اس لیے ان میں مقامی

زبان کے الفاظ، مقامات اور اصطلاحات برتی گئی ہیں۔ جو اردو کے دیگر مراکز کی نثری تحریروں سے ان تحریروں کو جدا کرتی ہیں۔ جن سے فوراً شناخت کیا جا سکتا ہے کہ یہ دستاویز بلوچستان کے کسی حصے سے وابستہ ہے۔ اردو نثر کے اس فروغ نے بلوچستان کی بڑی زبانوں بلوچی، براہوی اور پشتو پر مثبت اثرات مرتب کر کے انہیں بھی آگے بڑھایا ہے۔ یوں یہ کہنا بجا ہے کہ بلوچستانی زبانوں کے فروغ میں قدیم دفتری اردو نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ کیوں کہ اردو زبان نے بہ حیثیت زبان بلوچستانی نسلی و تہذیبی جڑوں کو مضبوط کیا اور اس ثقافت و تمدن کی شناخت میں معاون رہی ہے۔ رشید نثار زبان کے اس وصف کو اپنی تصنیف وادیٔ شال کی کہکشاں میں یوں بیان کرتے ہیں کہ:

"زبان چونکہ انسان دوستی کی پہلی کڑی ہے لہٰذا زندگی کے غیر معمولی ارتقاء میں اس کے برتاؤ اور صدیوں کے تسلسل پر نگاہ رکھ کر اپنی نظریاتی سرحدوں اور آزادی کا تحفظ کرنا پڑتا ہے۔ بلوچستان میں اس "وصف" کو آج بھی دیکھا جا سکتا ہے۔"(11)

اردو نثر کے یہ ابتدائی نمونے اہل بلوچستان کے پس منظر میں یوں سلجھے ہوئے اسلوب کے حامل قرار دیے جا سکتے ہیں کہ ان کا ابلاغ مبہم نہیں ہے۔ ان سے مطلب برابری کا مقصد پورا ہوتا ہے۔

اردو سرکاری زبان ہونے کی وجہ سے عوام الناس کے لیے سیکھنا ناگزیر ہو گئی تھی۔ حکومت کے تمام ادارے اردو کے پابند تھے اس لیے رفتہ رفتہ یہ زبان عوامی ضرورت کا درجہ اختیار کر گئی۔ جب وسیلہ اظہار ہی تبدل کا شکار ہو جائے تو یہ لازمی ہو جاتا ہے کہ اس کے مطابق لفظ، لہجہ اور تلفظ بھی بدلے۔ چناں چہ بلوچستان میں اردو زبان کا ارتقا اور فروغ اسی ضرورت اہمت اور افادیت سے منتھی ہو کر صرف بولی تک محدود نہ رہا بلکہ لکھت پڑھت سے اردو نثر کے کئی صنفی زاویے شعوری اور لاشعوری طور پر پنپتے چلے گئے۔ سرکاری دستاویزات نے بھی ان اصناف کو وسعت بخشنے میں معاونت کی ہے۔ گو کہ یہ سارا عمل حکومتی نظام کو چلانے کے لیے تھا لیکن سرکار کے توسط سے ہی اردو نثر نے نہ صرف بلوچستان بلکہ ہندوستان بھر میں قدم مضبوط کیے تھے۔ بالعموم حکومتیں جن عناصر، عوامل اور زاویوں کو اہم سمجھتیں ہیں ان کے برعکس چلنے سے مسائل جنم لیتے ہیں۔ زبان کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ حاکم کے زیر استعمال زبان عوام پر برتر رہتی ہے۔ اس کے نتیجے میں عوام اسے سیکھنے، بولنے اور پڑھنے پر مجبور ہو کر از خود متعلقہ زبان کے فروغ و ارتقاء کا باعث بننے لگتے ہیں۔ بلوچستان میں اردو زبان اور اردو نثر اسی قاعدے کے تحت پھلی پھولی ہے۔ جس کی وجہ سے اس خطے میں اردو کے نئے انداز، ذائقے اور لغت نے جنم لے کر نیا اسلوب اختیار

کر لیا ہے۔ جو غیر محسوس طریقے سے ادبی اصناف میں جگہ پا کر بلوچستانی اردو کی بنت میں اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ بلوچستان میں اردو کی قدیم دفتری دستاویزات جو براہ راست ادب کا حصہ نہیں ہیں یا ایسی قانونی دستاویزات جو اپنا مخصوص ڈھنگ اور طرز بیان رکھتی ہیں انہوں نے بعد میں تخلیق ہونے والے بلوچستان کے افسانوی ادب کے قصے، کہانیوں میں کرداروں اور پلاٹ کے مطابق خام مواد کا کام انجام دیا اور اپنی خدمات کے توسط سے بلوچستان کے نثری ادب میں معاون ہو گئی ہیں۔

حوالے / حواشی

ا۔ کوثر، انعام الحق، ڈاکٹر، "بلوچستان میں اُردو کی قدیم دَفتری دَستاویزات"، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان) ص ۱۱

۲۔ کوثر، انعام الحق، ڈاکٹر، ایضاً، ص ۱۸۲

۳۔ کوثر، انعام الحق، ڈاکٹر، ایضاً، ص، ۳۲

۴۔ کوثر، انعام الحق، ڈاکٹر، ایضاً، ص ۳۶

(درخواست میں اس مقام پر تاریخ، مہینہ اور سن نہیں لکھا گیا ہے۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر نے اسے اسی طرح اپنی کتاب بلوچستان میں اردو کی قدیم دفتری دستاویزات میں شامل کیا ہے۔ درخواست کے آخر میں بھی اسی طرح نامکمل تاریخ لکھی گئی ہے)

۵۔ کوثر، انعام الحق، ڈاکٹر، ایضاً، ص ۳۶۔۳۷

۶۔ کوثر، انعام الحق، ڈاکٹر، ایضاً، ص ۳۲

۷۔ کوثر، انعام الحق، ڈاکٹر، ایضاً، ص ۳۶

۸۔ کوثر، انعام الحق، ڈاکٹر، ایضاً، ص۔ ۳۷

۹۔ کوثر، انعام الحق، ڈاکٹر، ایضاً، ص۔ ۲۱۱

۱۰۔ صدیقی، ابو اللیث، ڈاکٹر، "جامع القواعد" لاہور: مرکزی اردو بورڈ) ص ۶۳

۱۱۔عصمت جاوید، "نئی اردو" (لاہور: کمبائنڈ پبلیشرز)ص۱۷۶

۱۲۔رشید نثار، "وادیٔ شال کی کہکشاں" پنڈی اسلام آباد ادبی سوسائٹی (پیاس)، ص۱۴۶

References

(1) Kouser,Inam.ul.Haq, Dr,Balochistan myn Urdu ki Qadeem Dftery Dastawaizat,Muqtedra Qoumi zaban,Isamaabad,1986,p11

(2) Kouser,Inam.ul.Haq ,Dr,aizen,p112

(3) Kouser,Inam.ul.Haq ,Dr, aizen ,p32

(4)Kouser,Inam.ul.Haq ,Dr,aizn, p36.37

(5) Kouser,Inam.ul.Haq ,Dr,aizn,p32

(6)Kouser,Inam.ul.Haq ,Dr,aizn,p36

(7)Kouser,Inam.ul.Haq ,Dr,aizn,p37

(8)Kouser,Inam.ul.Haq ,Dr,aizn,p211

(9)Sidiqee,abulays,Dr,jami.u.qwaid,merkizd Uurdu board,Lahore,1971,p63

(10)EsmetJaved,Nai qwaid,combaind,publisher's,Lahore,1988,p176

(11)Rasheed Nasar,Wadi.e.shaal ki kehkashan,Rawalpindi IslamAabad Adbi socaity (pyass) ,Rawalpndi ,1999,p146